عالمی تعاون کے لئے اسلامی بنیاد

اتحاد اسلامی اور عالمی تعاون

پروفیسر ایس اے حسن ○ ترجمہ: شاہ محی الحق فاروقی

یہ اس انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی (فروری ۱۹۶۸ء) میں ملائیشیا کے مندوب پروفیسر ایس۔ اے حسن نے پیش کیا تھا۔

دنیائے اسلام ان دنوں اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع نہیں کہ عالم اسلام کو ایسے غیر معمولی ہمہ گیر مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہو جو خود اسلام کی بقاء کے لئے خطرہ نظر آئیں۔ مثال کے طور پر پانچویں اور چھٹی ہجری (مطابق گیارہویں بارہویں عیسوی) صدیوں نے یروشلم فتح کرنے کی کوشش میں شام اور فلسطین پر یورپ کی عیسائی حکومتوں کے مسلسل حملوں کا مشاہدہ کیا۔ ابتداً مسلمانوں کی تباہ کن ناکامیوں کے باوجود صلیبی جنگوں نے مسلمانوں کے لئے ایک نقطۂ اجتماع کا کام دیا اور آخر کار عماد الدین، نور الدین اور فیصلہ کن طور پر صلاح الدین کی انتھک کوششوں نے اس طوفان کا رخ اسلام کے حق میں موڑ دیا۔

ساتویں صدی میں دنیائے اسلام پر جو خطیر ترین حادثہ گذرا وہ مغلوں کا حملہ اور بغداد کا [illegible] ایک زوال پذیر کیفیت میں مبتلا تھے اس حادثے [illegible] علمی اور ثقافتی زندگی برباد ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شہر رے، طوس، مرو، نیشاپور [illegible] علمی مرکزوں کی بدولت علمی اور ثقافتی عروج اپنی انتہا [illegible]

[illegible] اندلس میں مسلمانوں کے زوال نے یورپ میں اسلام کی [illegible] تک قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ [illegible]

اور غرناطہ کی دانش گاہوں کے ذریعہ اندلس کے مسلمانوں نے خود اپنے تحقیقی کاموں سے بھی اور قدیم علوم فلسفہ" کے تراجم سے بھی یورپ پر ایک ایسا گہرا ثقافتی اثر ڈالا تھا جس نے مغربی یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کو ممکن بنا دیا تھا۔ ؎

آخر کار بارہویں (اٹھارہویں) اور تیرہویں (انیسویں) صدی میں نوآبادیاتی نظام کی ابتدا کی وجہ سے دنیائے اسلام استعماری طاقتوں کی توسیعی حکمتِ عمل کا شکار ہو گئی۔ بعد میں استعمار سے سیاسی اور معاشی آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد اس احیاء اور تشکیلِ نو کی تاریخ کا ایک حصہ ہے جو شدید داخلی حالات کے چیلنج اور خارجی خطرات کے دوہرے محرک کے نتیجہ میں وجود میں آئی۔ ؎

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام واقعات مسلمانوں کے لئے عبرتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سائنس اور جدید علوم وفنون کے میدان میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک بہت آگے نکل جانے اور ترقی پذیر ممالک، جن کا بڑا حصہ ایشیا و افریقہ کے اسلامی ممالک پر مشتمل ہے، ان کے اس میدان میں افسوس ناک حد تک پیچھے رہ جانے کے باعث اب مسائل اور زیادہ سنگین ہو چکے ہیں۔

سائنس اور جدید علوم وفنون سے پیدا ہونے والی قوتیں جب پُرامن مقاصد کے لئے استعمال ہوں تو ترقی پذیر قوموں کے لئے نعمت و برکت بن جاتی ہیں لیکن جب ان کا مقابلہ کسی ایسی مخالف طاقت سے ہوتا ہے جو اس قوت کو جنگ کی تخریبی کارروائیوں میں استعمال کرتی ہے تو پھر یہی قوت ان کے پورے کے لئے خطرہ بن جاتی ہے۔ دنیائے اسلام ان دنوں اس ہنگامی اور سنگین مسئلہ اور اس کے دور رس ... سے دوچار ہے جس کی مثال پوری تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ صلیبی جنگیں، زوالِ بغداد، سقوطِ ... یہ تھی کہ بارہویں (اٹھارہویں) اور تیرہویں (انیسویں) صدی کی یورپ کی توسیعی حکمتِ عمل جیسے ... اقعات اس وقت اپنی ساری اہمیت کھو دیتے ہیں جب ہم ان کا مقابلہ موجودہ مسائل سے کرتے ہیں ... تہاؤں کے درمیان انتخاب کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے یعنی یا تو ایسے معاشرہ کی طرح زندہ ... "سائنسی علوم اور ان پر مبنی فنی قابلیت" کو استعمال کرتا ہو یا پھر اپنی آزادی اور اسلامی ... ہو دے۔

... لم ممالک زراعت و صنعت میں جدید ترین سائنسی طریقوں کو استعمال کرنا نہیں سیکھیں گے ... آبادی کا معیارِ زندگی بلند نہیں کر سکیں گے۔ اسی کے ساتھ جب تک مسلم ممالک دفاع کے

معاملہ میں بھی یہی موقف اختیار نہیں کریں گے اُن کی آزادی اور اقتدار کو ہر وقت خطرہ لاحق رہے گا۔ اگر اُنہوں نے اپنی ساری توجہ صرف ایک پہلو پر مبذول کی تو دوسرا بے توجہی کی نذر ہو جائے گا۔ ان حالات میں پہلے انھیں اپنی آزادی اور اقتدار کی حفاظت کرنی پڑے گی اور پھر انھیں اپنے عوام کے لئے بہتر حالاتِ زندگی مہیا کرنے پڑیں گے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس ملک کو ہمہ گیر صنعتی ترقی حاصل ہو جاتی ہے وہ خارجی حملوں سے اپنے دفاع کے لائق بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ پھر اُسے دفاع کے لئے ضروری اسلحہ و سامان حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

ان حالات میں مسئلہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کو صنعت کی راہ پر کس طرح ڈالا جائے۔ کیا خام مال، افرادی قوت، فنی ماہرین اور سائنس دانوں کے معاملہ میں مسلم ممالک خود کفیل ہیں؟ کیا فرداً فرداً وہ اس لائق ہیں کہ موجودہ دنیا کی طرف سے ان پر جو دباؤ پڑ رہا ہے اسے برداشت کر سکیں؟

ان سوالوں کے جواب بڑی حد تک نفی میں ہیں۔ کوئی مسلم ملک بھی آج خود کفیل نہیں ہے۔ یہ جواب ہمیں ایک دوسرے سوال کی طرف لے جاتا ہے کہ کیا مسلم ممالک ایک دوسرے کو اس قسم کی مدد دے کر خود کفیل ہو سکتے ہیں؟ مختلف اسباب کی بنا پر اس عارضی کارروائی کا اثر نہ صرف محدود ہوگا، بلکہ یہ مسئلہ کا کوئی مستقل حل بھی نہیں ہوگا۔ مزید برآں یہ مسئلہ امداد لینے والے اور دینے والے دونوں ہی کے لئے ایک نئی نسبت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ خام مال کے بدلے میں یا باہمی سود مند رعایتوں کی بنیاد پر جو ملک امداد دیتا ہے وہ کچھ شرائط بھی عائد کر دیتا ہے خواہ وہ امداد حاصل کرنے والے ملکوں کے لئے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ آج کی دنیا میں یہ توقع کرنا زیادتی ہے کہ امداد دینے والا ملک محض انسان دوستی اور ہمدردی کی بنیاد پر کام کرے گا۔ اس امداد سے جو سیاسی اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں ان کے علاوہ خود اس امداد کی مقدار بھی ہمیشہ اتنی نہیں ہوتی کہ وہ کم ترقی یافتہ ملکوں کو پورے طور پر صنعتی ملک بنا دے یا ان کی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ کر دے۔ اس طرح ترقی پذیر ملکوں میں دوسرے پر اعتماد و انحصار کا رجحان گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ مزید برآں اگر اپنی حکمتِ عملی کی بنا پر امداد دینے والا ملک امداد بند کر دینے کا فیصلہ کرے تو پھر اچانک ایک ایسا خلاء پیدا ہو جاتا ہے جس کا اثر دیر تک رہتا ہے اور جسے وقت میں پُر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

ان حالات میں مسلمان ملکوں کے لئے بہتر یہی قابلِ قبول طریقۂ عمل رہ گیا ہے۔ میں نے اس مختصر سے مقالہ میں تاریخ اور تعلیمات کی روشنی میں چند تجاویز کا ایک خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جیساکہ پہلے بیان کیا گیا غالباً کوئی بھی مسلم ملک ہر لحاظ سے خود کفیل نہیں ہے۔ کچھ مسلم ممالک زرعی پیداوار کے معاملہ میں دولت مند ہیں تو کچھ خام مال ہیں۔ مثال کے طور پر متحدہ عرب جمہوریہ، پاکستان، انڈونیشیا اور ملائیشیا جیسے ممالک روئی، گیہوں، جوٹ، ربڑ اور عمارتی لکڑی پیدا کرتے ہیں تو ایران، عراق، کویت، سعودی عرب اور ملائیشیا جیسے ممالک تیل اور ٹن جیسی معدنی دولت سے مالا مال ہیں۔ دوسرے مسلم ممالک جن میں اب تک معدنی وسائل دریافت کئے ہی نہیں گئے ان کے علاوہ ہیں۔ [۵]

ان سب کے علاوہ دنیائے انسانیت کا پانچواں حصہ ہونے کی وجہ سے دنیائے اسلام کے پاس افرادی قوت [۶] کی دولت بھی ہے۔ بحر اوقیانوس کے ساحل سے آبنائے ملاکا تک دنیائے اسلام کے پاس ایک بہت بڑا رقبہ ہے۔ مسلم ممالک نسلی عناصر کے اعتبار سے بھی دولت مند ہیں۔ مثلاً عرب، ترک، ایرانی، پاکستانی، افغان اور ملائی۔ اسلام کی ہر قوم اپنی امتیازی خصوصیات سے مفتخر ہے اور اسے ایسی صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں جو صرف عالم اسلام ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے امن اور فلاح و بہبود کے حصول میں پورا حصہ لے سکتی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مختلف عناصر و وسائل اور گوناگوں صلاحیتیں عوام الناس کی منفعت کے لئے کس طرح یکجا کی جاسکتی ہیں۔ ایک اہم عنصر جو مسلم دنیا کے اتحاد کو آسان بنا سکتا ہے وہ اسلامی اخوت کا روحانی رشتہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منها کذالک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تھتدون ○

"اور تم سب اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوط پکڑے رہو اور ٹکڑوں میں نہ بٹو۔ اور اپنے اوپر اللہ کا وہ انعام یاد رکھو جب کہ تم دشمن تھے، پس اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم اللہ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا اسی طرح اللہ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔" (۳:۱۰۳)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل فرمان کے ذریعہ مسلمانوں کے اتحاد پر بڑا زور دیا ہے:

المومن للمومن کالبنیان ، "مومن کا مومن سے تعلق اس عمارت کے اجزاء

یشد بعضہ بعضا۔ شہ کا سا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو پختہ کرتا ہے۔"

اسلام کی اخوتِ دینی کوئی قصۂ پارینہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جسے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس اتحاد سے جو شاندار امکانات پیدا ہو سکتے ہیں ان کا تصور کرتے ہوئے صدر جمال عبدالناصر نے لکھا ہے: "جب میرا خیال انڈونیشیا کے آٹھ کروڑ، چین کے پانچ کروڑ اور ملایا، سیام اور برما کے لکھوکھا، پاکستان کے دس کروڑ، مشرقِ وسطیٰ کے دس کروڑ یا کچھ زائد، روس کے چار کروڑ (ہندوستان کے چھ کروڑ۔ مترجم) مسلمانوں اور پھر دنیا کے دور دراز مقامات پر مسلمانوں کی معتد بہ آبادی کی طرف جاتا ہے، جب میں کروڑوں افراد کو ایک عقیدہ سے منسلک پاتا ہوں تو مجھے اس عظیم الشان قوت کا احساس ہوتا ہے جو ان کے اتحاد سے پیدا ہو سکتی ہے۔ پھر یہ اتحاد انہیں اپنے اپنے ملکوں کی وفاداری سے محروم کئے بغیر خود ان کے لئے نیز ان کے دوسرے بھائیوں کے لئے لامحدود قوت کی ضمانت دیتا ہے۔" شہ

ان ناقدین کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اب مشرقِ وسطیٰ میں اسلام ایک زندہ قوت نہیں ہے۔ پروفیسر گب نے لکھا ہے "ممکن ہے ان مغربی مبصرین کے پاس جو یہ سمجھتے ہیں کہ رسوم و اخلاق کے عملی مؤثر نظام کی حیثیت سے اب اسلام مشرقِ وسطیٰ میں غالب و مؤثر عامل نہیں، ممکن ہے ان کے پاس اس بارے میں کچھ حقائق و دلائل ہوں۔ لیکن اسلام وہ ہے جیسا مسلمان اسے سمجھتے ہیں اور جیسا مسلمان اسے اپنے قلوب میں محسوس کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی ایک بڑی اکثریت آج بھی خود کو جوشیلا اور پکا مسلمان سمجھتی ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ موجودہ حالات میں مذہبی نقطۂ نظر سے کچھ خطرات ہیں لیکن بہر حال حقیقت تو یہی ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں اب بھی اسلامی شعور سب سے بڑا ذریعہ اتحاد ہے"۔ شہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف مشرقِ وسطیٰ ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں "اسلامی اقدار" آج بھی "پختہ ترین قوتِ اتحاد" ہیں۔ شہ

موجودہ عالم اسلام کے دو بڑے مسائل یعنی سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور اسلام میں قوم پرستانہ تحریکوں کے فروغ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر روزنتھال لکھتے ہیں: "اسلام کے قدیم مذہبی اور سیاسی اتحاد کے تصور کو اب فرانسیسی انقلاب کے اثرات یعنی سیاست اور مذہب کی علیحدگی سے خطرہ لاحق ہے لیکن اس نئے تصور کی یورش اور قوم پرستانہ تحریکوں کے پھیلنے کے باوجود نسلی

اور ثقافتی تنوع کے درمیان آج بھی اسلام ہی ایک مضبوط رشتۂ اتحاد کا کام دیتا ہے۔[۱۱]
بے شک ہم نے ان مصنفین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مختلف النوع نظریات کے درمیان ایک قوتِ
حیثیت سے اسلام کے اثر اور اسلام پر مغرب کے اثرات کے ورثہ کو تسلیم کیا ہے۔ دوسری طرف
ے مبصرین بھی موجود ہیں جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلم دنیا میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے
، اسلام کے علاوہ کوئی اور قوت ہے ہی نہیں۔ پروفیسر واٹ لکھتے ہیں کہ "پورے عالمِ اسلام
ہر چند ایسے گوشوں میں بھی جو اب تک نورِ اسلام سے منور نہیں ہوئے ہیں) مذہبِ اسلام کو
، کار لائے بغیر ترقی پذیر اتحاد اور ہم آہنگی کی توقع مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔"[۱۲]
قلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم ریاستوں کے فکر و عمل میں اتحاد پیدا کرنے اور اس طرح عالمِ اسلام
بئی زندگی اور قوت عطا کرنے کے لئے اخوت کے اس تصور کو عملی شکل کیسے دی جا سکتی ہے۔
سلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ حوادث کے مقابلہ میں بے حسی اور بے اعتنائی کے موجودہ رویہ کو باہمی امداد
اعتمادی کے رویہ سے بدل دیا جائے۔ اس اتحاد کی بنیاد مسلم ممالک میں مکمل مساوات اور باہمی
د پر رکھی جائے جو "جمہوریتوں کے ایک زندہ خاندان" کی اس منزل کی طرف رہنمائی کرے جس کی
علامہ اقبالؒ نے کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں، "فی الحال ہر مسلم قوم کو خود اپنی حالت کا بہ نظرِ غائر
ہ کرنا چاہیئے۔ وقتی طور پر اپنی نظر خود اپنی ذات پر مرکوز کرنی چاہیئے یہاں تک کہ سب کے
تنے مضبوط اور طاقتور ہو جائیں کہ وہ جمہوریتوں کا ایک زندہ خاندان بنا لیں۔"[۱۳] یہ رائے عہدِ
بے اسلام کے ایک ممتاز مفکر نے کوئی چالیس سال پہلے دی تھی اس وقت سے اب تک ترقی
تہ پر مسلم ممالک نے کافی فاصلہ طے کر لیا ہے اور اس وقت جو ممالک استعماری پنجوں میں پھنسے ہوئے
ہوں نے کم از کم سیاسی آزادی تو حاصل کر لی ہے۔
ہ بات صحیح نہیں ہے کہ اسلام کا منتہیٰ محض عربوں کا ایک قومی مذہب بنا تھا۔ حقیقت یہ ہے
یم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے رجحان اور آپ کی رہنمائی میں اسلامی تحریک کے مطالعہ
ات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کا منطقی تکملہ اس وقت ہوا جب وہ عرب
کر بیرونی دنیا میں پھیلا۔
ن ناقدین کے لئے جو یہ کہتے ہیں کہ عملی دشواریوں کی وجہ سے اسلام کا اتحاد ممکن نہیں ہے ڈاکٹر اقبالؒ

نے لکھا ہے کہ" قوم پرست مفکرین کے خیال کے مطابق حقیقی اور جاندار اتحاد محض" علاقائی بالادستی" سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اتحاد آزاد اور خود مختار ریاستوں کے تعدد کے باوجود ظہور پذیر ہو سکتا ہے بشرطیکہ نسلی رقابتوں (اور تعصبات) میں ایک مشترک دینی مقصد اعلیٰ کے اتحاد آفرین رشتے کے ذریعے ہم آہنگی اور باہمی ربط وجود میں لایا جائے"۔ [۱۴]

اسی قسم کا تصور اس سے پہلے جمال الدین افغانی نے پیش کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں،" میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تمام اسلامی ممالک خود کو کسی ایک حکمران کی حکومت تسلیم کر لیں کیونکہ غالباً یہ بہت دشوار امر ہے لیکن میں یہ توقع ضرور کرتا ہوں کہ یہ سب قرآنی قانون کی بالادستی کو تسلیم کریں اور اسلام کو اتحاد کا ذریعہ بنائیں"۔ [۱۵]

پروفیسر ووجین گلیمن نے مشرق وسطیٰ کے مسائل کو" امن (عالم) کے لئے ایک مستقل خطرہ" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ" ان مسائل کا علاج اسلامی ملکوں کے درمیان ایک عظیم تر اتحاد اور جدید علوم و فنون سے کامل آشنائی کے علاوہ اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتا"۔ [۱۶]

دوسرا اہم عنصر جو اس اتحاد کو آسان بنا سکتا ہے وہ عربی زبان ہے۔ اسلامی ملکوں کو متحد کرنے میں یہ زبان ایک مفید مقصد پورا کر سکتی ہے اور یہ وہ خدمت ہے جو اسلام کے ابتدائی دور میں یہ زبان کامیابی سے انجام دے چکی ہے۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس سے کسی نہ کسی حد تک مانوس ہے اور قرآن کی زبان ہونے کی وجہ سے اس سے لگاؤ تو ہر مسلمان کو ہے۔ ایک دور میں عربی کی یہ حیثیت تھی کہ صرف عرب ہی کے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے علماء نے علم کی مختلف شاخوں میں اس زبان کے ذریعہ مفید اضافے کئے۔ بنابریں ہر مسلمان اس شاندار ورثہ میں حصہ دار ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

پروفیسر گب لکھتے ہیں" قدیم عربی ادب ایک قوم نہیں بلکہ ایک پوری تہذیب کے دیرپا نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس زبان کی ترقی میں حصہ لینے والے مختلف نسلوں کے لوگ تھے جنہوں نے اپنے عرب فاتحین کے زیر اثر اپنی قومی زبانوں، روایتوں اور طور طریقوں کو فراموش کر دیا اور فکر و یقین کے ایک ہی سانچے میں ڈھل گئے اور اس طرح ایک نئی اور وسیع تر عرب قوم میں مدغم ہو گئے"۔ [۱۷]

دو اور اسباب ایسے ہیں جو ہماری اس رائے کو تقویت دیتے ہیں کہ مسلم دنیا میں عربی کی تعلیم اور زیادہ وسیع طریقہ پر ہونی چاہیے ایک تو اس زبان کی اپنی گہرائی اور لطافت کی وجہ سے اور دوسرے اس کے روابط کی وجہ سے عربی زبان کے ...

میں پروفیسر حتّی کہتے ہیں ازمنۂ وسطیٰ میں کئی صدیوں تک پوری دنیا میں یہ علم وثقافت اور ترقی یافتہ خیالات کی زبان رہی ہے۔ لاطینی کے بعد اس کے حروف تہجی دنیا میں سب سے زیادہ مستعمل ہیں یہی حروف فارسی، افغانی، اُردو اور کبھی ترکی، بربر اور ملائی زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ [۱۹]

ماضی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں اسلامی اخوت کے نصب العین کو بڑی حد تک حاصل کر لیا گیا۔ اگرچہ بعض اوقات خودغرضانہ محرکات اور ذاتی عناد نے اس نصب العین کو آنکھوں سے اوجھل بھی کر دیا۔ صلیبی جنگوں کی مثال لیجئے سلطان صلاح الدین (۸۹ – ۵۶۴ھ مطابق ۹۳ - ۱۱۶۹ء) نے شمالی افریقہ اور اندلس کے موحد حکمران ابو یوسف یعقوب المنصور (۹۵ – ۵۸۰ھ مطابق ۹۹ - ۸۴) کے دربار میں سفرا بھیج کر مدد کی درخواست کی اور اس نے پوری فراخدلی سے اس درخواست پر لبیک کہا اور مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک سو اسّی جہاز بھیجے[۲۰]۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بغداد کی عباسی خلافت کے بارے میں سلطان صلاح الدین اور موحدین کے نقطۂ نظر میں اختلاف تھا۔ سلطان خلیفہ کو تسلیم کرتا تھا جب کہ موحدین اسے تسلیم نہیں کرتے تھے اور اپنے نام کا خطبہ پڑھواتے تھے لیکن یہ اختلاف ایک اسلامی فرض کی ادائیگی میں موحدین کا مزاحم نہیں ہوا۔ اس سے پہلے یروشلم کے زوال کے موقع پر عباسی خلیفہ المستظہر[۲۱] (۵۱۲ – ۴۸۷ھ مطابق ۱۱۱۸ - ۱۰۹۴ء) سلجوقی سلطان ملک شاہ کے بیٹوں سے آپس کے اختلافات ختم کرنے کی ناکام درخواست کر چکا تھا۔

جب غرناطہ کا آخری سلطان ابوعبداللہ محمد (جو ایک بار ۸۸۷ھ سے ۸۸۸ھ مطابق ۱۴۸۲ء سے ۱۴۸۳ء تک اور دوبارہ ۸۹۲ھ سے ۸۹۷ھ مطابق ۱۴۸۶ء سے ۱۴۹۲ء تک حکمران رہا) اراگن اور قسطلیہ کی مشترکہ فوجوں سے محصور ہو کر قلعہ بند ہو گیا تو اس نے اس شرط پر غرناطہ کو قسطلیہ کے حکمران کو دینے کا وعدہ کر لیا کہ اگر دو ماہ تک اسے رہائی نہ ہو سکی تو وہ اسے سلطنت سپرد کر دے گا اس کے بعد اس نے مسلمان حکمرانوں سے مدد کی درخواست کی اور اس درخواست کے جواب میں مملوکوں، صفویوں اور وینیشیوں کے خلاف اپنی مشغولیت کے باوجود عثمانی سلطان بایزید ثانی نے (۹۱۱ – ۸۸۶ھ مطابق ۱۵۱۲ء – ۱۴۸۱ء) نے کمال رئیس کے تحت ایک بیڑہ بھیجا جو ترکی کے پہلے بڑے امیر البحر تھے۔ [۲۲]

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں کے اپنے اندرونی اختلافات کچھ بھی اور کتنے

ہی کیوں نہ ہوں ان اختلافات کو اسلامی اتحاد اور اخوت کے عظیم تر مقصد کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیئے۔
قرآن پاک میں ارشاد ہے:

و ان طائفتان من المومنین اقتتلوا فأصلحوا بینہما فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ إلی أمر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل وأقسطوا إن اللہ یحب المقسطین۔	"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے" (۹:۴۹)

مزید ارشاد ہے:

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔	"مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے" (۱۰:۴۹)

ہم نے اب تک اس مسئلہ کے محض نظری پہلوؤں پر بحث کی ہے جب ایک بار یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مختلف میدانوں میں ترقی حاصل کرنے کی غرض سے مختلف مسلم ممالک کو اکٹھا کرنے کے لیے دینی اخوت ایک بڑا عنصر ہے تو پھر ہمیں اس مسئلہ کے عملی پہلوؤں پر غور کرنا پڑے گا تاکہ ہم اس نصب العین کو عملی شکل دے سکیں۔

چونکہ مختلف مسلم ممالک میں اتحاد پہلا بنیادی عامل ہے لہٰذا اسے مساوی نمائندگی کی بنیاد پر مسلم ریاستوں کی ایک صحیح تنظیم کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی تنظیم کو بغیر کسی دشواری کے اپنے فیصلوں کو نافذ کرانے میں اس وجہ سے اور آسانی ہو گی کہ اُسے متعلقہ حکومتوں کا اعتماد حاصل ہوگا۔ اس تنظیم کے انتظامی امور مثلاً صدر دفتر کے مقام کا تعین، دفتر کی ہیئت، نمائندگی کی بنیاد اور عملہ کے انتخاب وغیرہ کی تفصیلات مسلم ممالک خود طے کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی تنظیم کا تصور کوئی نیا تصور نہیں ہے

روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں متحدہ عالم اسلام کے لئے شدید تڑپ موجود ہے۔ یوں اس بات کا جواب وقت ہی دے گا کہ آیا اس قسم کی تنظیم کا قیام ممکن ہے اور اگر ہے تو کس شکل میں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی قدم ساری دنیا کے لئے بڑا اہم ہوگا۔

جیسا کہ ہمیں علم ہے دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے مختلف بین الاقوامی اور علاقائی تنظیمیں وجود میں آ چکی ہیں جن میں سب سے اہم اور عظیم مجلسِ اقوامِ متحدہ ۲۶ جون ۱۹۴۵ء کو "بین الاقوامی امن اور سلامتی قائم رکھنے کے لئے[۲۳]" وجود میں آئی۔ اس کی مختلف شاخیں اس کے فرائض کو منضبط انداز میں پورا کرتی ہیں۔ جغرافیائی قربت کے لحاظ سے مسلمان حکومتوں کی بھی مختلف علاقائی تنظیمیں موجود ہیں جن کا مقصد مشترکہ معاشی، ثقافتی اور سیاسی مسائل کو حل کرنا ہے۔

اس قسم کی پہلی علاقائی تنظیم عرب دنیا میں نمودار ہوئی "باہمی مفاد اور استحکام کے لئے روز افزوں جذبات کا اظہار عرب لیگ کے معاہدہ کی شکل میں سامنے آیا جس پر مارچ ۱۹۴۵ء میں قاہرہ میں دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ رکن ممالک کے درمیان تعلیمی، تجارتی اور مواصلاتی معاملات میں اتحاد کو ترقی دینے کے عزم کا مدعی ہے۔ اس معاہدہ میں کسی رکن ملک کے خلاف جارحیت کی صورت میں باہمی مشورہ کی شق موجود ہے اور معاہدہ آپس کے اختلافات کو بذریعہ قوت حل کرنے سے روکتا ہے[۲۴]۔" اس لیگ کا مقصد اور اس کا پہلا فائدہ عرب اتحاد کے ایک مرئی نشان کی شکل میں سامنے آیا جس نے بہت سے عربوں کی دلی خواہش کی تکمیل کر دی[۲۵]۔" اس قسم کا ایک دوسرا معاہدہ جو ابھی حال ہی میں ہوا ہے پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان معاہدہ استنبول (جون ۱۹۶۴ء) ہے جو "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے علاوہ مختلف اوقات میں جو بین الاقوامی مشاورتی جلسے ہوئے مثلاً موتمر عالم اسلامی[۲۶] اور رابطۂ عالم اسلامی[۲۷] انہوں نے بھی دنیا کی توجہ مسلم ممالک کو درپیش مسائل کی طرف مبذول کرانے میں مفید خدمت انجام دی۔

اگر ایک بار اس قسم کی تنظیم کے ذریعہ مسلم حکومتوں میں اتحاد ہو جائے تو پھر تعلیمی، ثقافتی، فنی اور صنعتی میدانوں میں باہمی مفاد کے منصوبوں کے لئے یہ ممالک خود ہی بنیاد تلاش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہ تنظیم علاقہ واری مثلاً مغرب[۲۸] (شمالی افریقہ) میں متحدہ عرب جمہوریہ اور سوڈان "ہلال زرخیز"[۲۹] جزیرہ نمائے عرب[۳۰]، ترکی، ایران، پاکستان اور افغانستان کے علاقے اور اسی طرح ملائی مجمع الجزائر[۳۱] کی بنیاد پر مشترکہ منصوبوں

کا خاکہ بنا سکتی ہے۔ مشرقی اور مغربی افریقہ[۲۲] (میں صحرا (SAHARA) کے جنوب) کے مسلم ممالک مثلاً صومالیا، گمبیا، گنی، نائیجر، چڈ، مالی، سینیگال، ماریطانیہ اور نائیجیریا اپنے سیاسی اور معاشی تقاضوں کے مطابق یا تو ایک دوسرے کے تعاون سے یا کسی علاقہ واری تنظیم سے اشتراک کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ولیم ایچ لیوس کہتے ہیں کہ" قوی امکان اس بات کا ہے کہ خود کو طاقت ور بنانے کی خاطر افریقی اسلام عرب دنیا سے رابطہ قائم کرے۔" [۲۳]

علاقہ واری بنیاد کے اس منصوبہ کو سختی کے ساتھ صنعتی مسائل جیسے مسئلوں تک محدود رہنا چاہیئے ورنہ اگر چھوٹی قومیں خود اپنی بھاری صنعتوں کے قیام کی کوشش کریں گی تو ان کی معاشیات پر بہت بوجھ پڑ جائے گا۔ اس کے برعکس چھوٹی قومیں بڑے تدبر کا ثبوت دیں گی اگر وہ اپنا خام مال اپنے علاقہ کے اس ملک کو دیں جو صنعتیں قائم کرنے اور انھیں چلانے کا اہل ہو لیکن اس کے باوجود تیار شدہ مال ہر علاقہ کے رکن ممالک کو مہیا کیا جائے گا۔ لیکن رکن ممالک کے درمیان ثقافتی اور تعلیمی میدانوں میں بھی اور مواصلاتی ترقی میں بھی زیادہ زور بین العلاقائی اتحاد پر دیا جانا چاہیئے۔

اس طریقہ سے ہر علاقہ کے کچھ ممالک ضرورت کی اشیاء اور ساز و سامان مہیا کرنے کے اہل ہوں گے جب کہ چھوٹے ممالک بھاری صنعتوں میں روپیہ لگانے سے بچ جائیں گے۔ مزید برآں ضرورت کے وقت چھوٹے ممالک اپنے ساتھی مسلم ممالک کی مدد پر بھروسہ کر سکتے ہیں پھر وہ ایسے ممالک سے امداد لینے کی الجھنوں سے بھی بچ جائیں گے جن کے متعلق یہ نہیں معلوم کہ وہ ان کی حکمتِ عملی سے متفق ہوں یا نہ ہوں یا ان کی آرزوؤں سے ہمدردی رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، بالآخر جب اسلام کا ہر علاقہ خود کفیل ہو جائے تو پھر وہ سارے عالمِ اسلام کے اقتدار، امن اور فلاح میں حصہ لے سکتا ہے جیسا کہ جمال الدین افغانیؒ نے فرمایا تھا کہ" ہر سربراہِ ملک کو اپنی ریاست کے ساتھ ساتھ دوسری ریاستوں کی حفاظت کے لئے بھی انتہائی جد و جہد کرنی چاہیئے کیونکہ اس کا اپنا وجود پڑوسی ملک کے وجود سے مربوط ہے اور پڑوسی کی بقا کے بغیر اس کی اپنی بقا ناممکن [۲۴]

ان علاقہ واری تنظیموں کو محض ایسی اکائیاں سمجھنا چاہیئے جو مختلف میدانوں میں ترقی کے لیے آسانیاں فراہم کر سکتی ہوں جبکہ ہمیں پوری مسلم دنیا کو متاثر کرنے والے بڑے مسائل کے بارے میں لائحۂ عمل تیار کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ تنظیم بین الاقوامی اخوت کو ترقی دینے اور عالمی امن کو قائم رکھ

دوسری عالمی تنظیموں سے اشتراک کرے گی کیونکہ اسلام تو عالم گیر امن اور عالم گیر اخوت کا علم بردار ہے۔ قرآن پاک عالم گیر اخوت کے اصولوں کو حسبِ ذیل آیت میں بیان فرماتا ہے،

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔" (۱۳ : ۴۹)

اقبالؒ نے اسلام کو اقوام کی "ایک ایسی تنظیم" کہا تھا "جو مصنوعی سرحدوں اور نسلی امتیازات کو محض اس لئے تسلیم کرتا ہے کہ اس سے اقوام کی ایک دوسرے سے شناخت ہو سکتی ہے نہ اس لئے کہ اس سے اپنے اراکین کے ثقافتی دائرے کو محدود کیا جائے۔" ۲۵

قرآن پاک بنی نوع انسان کی وحدت کو حسبِ ذیل طریقے سے مزید واضح کرتا ہے،

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفون ٥

"اور تمام انسان ایک ہی امت تھے پھر (اپنی کجرائی سے) انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا۔" (۱۹ : ۱۰)

ایک مضبوط اور خوش حال مسلم دنیا جو عالم گیر اخوت کے اصولوں پر سختی سے ایمان رکھتی ہو عالمی امن (قائ)م کرنے والی قوتوں کے لئے ایک قابلِ قدر چیز ہو گی۔ اس طرح اسلامی اتحاد و تعاون عالمی امن و (استحک)ام کی تمہید ہے۔ پروفیسر منٹگمری واٹ نے بہت صحیح کہا ہے کہ "عظیم تر اسلامی وحدت صرف مسلمانوں کی اکثریت کے مفاد ہی میں نہیں بلکہ بقیہ دنیا کے مفاد میں بھی ہے"۔ وہ مزید رائے دیتے ہوئے کہا کہ "ہو سکتا ہے عالمی رائے عامہ کا کوئی حصہ ایسا بھی ہو جو اسلامی وحدت کے اضافہ کو خوش آمدید (نہ کہے) لیکن مذکورہ بالا فکر یہ ثابت کرتی ہے کہ اتحاد اور استحکام میں اس قسم کا اضافہ پوری دنیا میں اور اس طرح دنیا کے تقریباً سارے ہی ممالک کے مفاد میں ہو گا۔ اتحاد کی یہ بنیاد

س رائے کو مان لینے کے مترادف ہے کہ جوں جوں دنیا اتحاد کی طرف آئے گی اس بات کی اہمیت بڑھتی جائے گی کہ وہ ممالک یا علاقے جہاں اسلامی ثقافت کی حکمرانی ہے، وہ علاقے اپنے آپ کو ایک وحدت متصور کریں۔" [۳۶]

حواشی و حوالہ جات

[۱] فلپ، کے، حتی۔ عربوں کی تاریخ۔ ص ۵۶۳، لندن ۱۹۵۳ء۔

[۲] حتی۔ محولہ بالا ص ۵۵۵۔ مزید ملاحظہ ہو رافل التامیرا کی تاریخ اندلس (انگریزی)، موزانالی کی اسپینی کتاب کا ترجمہ ص ۱۱۱-۱۲، ص ۵-۱۲۳ نیویارک ۱۹۵۸ء۔

[۳] ایچ، اے، آر، گب۔ محمڈن ازم، ص ۱۶۵، لندن ۱۹۵۷ء۔

[۴] برٹرینڈ رسل۔ معاشرہ پر سائنس کا اثر (انگریزی) ص ۱۹ لندن ۱۹۵۲ء۔

[۵] ملاحظہ ہو البرٹ، جے، میئر۔ مقالہ "عرب ملکوں کی موجودہ معاشی ترقی کی ہیئت" (انگریزی) ص ۹۷-۱۰۳ "عرب مشرقِ وسطیٰ اور مسلم افریقہ" (انگریزی) تدوین ٹائبر کیریکس۔ ادارہ علم الاقوام، واشنگٹن ڈی سی ۱۹۶۱ء۔ انعام اللہ خان "مسلم دنیا کی معاشیات" (انگریزی) (عمومی اسلامی کانفرنس منعقدہ مکہ اپریل ۱۹۶۵ء کے سامنے پیش کیا ہوا ایک مقالہ) مؤتمر عالم اسلامی۔ جلد سوم شمارہ ۱ ص ۶۵-۴۹ سنگاپور، نومبر دسمبر ۱۹۶۵ء۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو زیڈ، وائی، ہرشلاگ "مشرقِ وسطیٰ کی جدید معاشیات کا ایک تعارف" (انگریزی) لیڈن ۱۹۶۴ء۔

[۶] مسلمانوں کی مجموعی آبادی اکسٹھ کروڑ انتالیس لاکھ چھیاسی ہزار ہے جس میں اڑتیس کروڑ آٹھ لاکھ چھیالیس ہزار آزاد مسلم ممالک میں رہتے ہیں۔

[۷] صحیح مسلم، جلد چہارم ص ۱۹۹۹ قاہرہ ۱۹۵۵ء۔

[۸] جمال عبدالناصر "فلسفہ انقلاب" (انگریزی) ص ۳۷ دارالمعارف، قاہرہ ۱۹۵۴ء حوالہ از جی، ای، گرونبام "جدید اسلام" مقالہ "مسلم قومیت کے مسائل" ص ۲۱۴ کیلی فورنیا ۱۹۶۲ء۔

[۹] ایچ، اے، آر، گب "عرب مشرقِ وسطیٰ میں سیاست اور امکانات" (انگریزی) ص ۱۷۵۔ "اسلامی مشرقِ قریب" تدوین ڈگلس گرانٹ۔ یونیورسٹی آف ٹورنٹو۔ سہ ماہی ضمیمہ جات، ٹورنٹو ۱۹۶۰ء۔

۱ ڈاکٹر آئی، آر، اے، الفاروقی نے مشورہ دیا ہے کہ "اسلام کی طرف دعوت دینے کی بجائے مسلمانوں ــــــ (ISLAMISTS) کو چاہیئے کہ وہ انسانوں کو اسلامی اقدار کی طرف دعوت دیں۔ صحیح معنوں میں مؤثر ہونے کے علاوہ یہ دعوت وفاداری کو اس کے اصل مقام پر رکھے گی اور ان اقدار کے تشخص سے جن سے اسلام مرکب ہے غلط فہمیوں کے بادل دور کر دے گی۔ اس وقت مسلم فضلاء کا فرض یہ ہو گا کہ وہ ان اقدار کی ماہیت، ان کا صحیح مقام اور ان کے باہمی تعلقات و توسلات کی وضاحت کریں۔" "عربیت، عروبہ اور مذہب کے بارے میں" (انگریزی) صہ ۲۱۷، ایمسٹرڈم ۱۹۶۲ء۔

۱۱ ای، آئی، جے، روزنتھال "اسلام موجودہ قومی مملکت میں" تعارف صہ ۱۱۳ (ردن) کیمبرج ۱۹۶۵ء۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ عربیت اور عرب قومیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر الفاروقی نے لکھا ہے کہ "یورپ کی قومیت کے جواب میں جو ایسے آزاد افراد کی ایک شعوری خواہش ہے جو دوسرے افراد سے بالکل مختلف اپنے تشخص کا ایک تصور رکھتے ہیں عرب قومیت موجودہ دنیا کے لئے ایک اجنبی اصطلاح ہے۔ ...... مغربی قسم کی جمہوریت سے عرب تاریخ بھی نابلد ہے۔ اگرچہ ایسی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں کسی عرب ملک کا رویہ قوم پرستی پر مبنی رہا ہو لیکن اس قسم کے رویہ کو ان لوگوں کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے ایسے حکمرانوں کے انفعالی اتباع پر قناعت کی جنہوں نے ذاتی اغراض کے حصول میں ساری قوت صرف کر دی۔

۱۲ ڈبلیو، منٹگمری، واٹ "اسلامی وحدت کے بارے میں افکار" (انگریزی) اسلامک کوارٹرلی، جلد سوم، شمارہ ۳ صہ ۱۹۳ لندن، اکتوبر ۱۹۵۶ء

۱۳ محمد اقبالؒ "تشکیل جدید الہیات" (انگریزی) صہ ۱۵۹ لاہور ۱۹۶۲ء۔

۱۴ محمد اقبالؒ، محولہ بالا صہ ۱۵۹۔

۱۵ جمال الدین افغانیؒ "العروۃ الوثقیٰ"۔ مقالہ "الوحدۃ الاسلامیہ" صہ ۷۲، قاہرہ ۱۹۵۷ء

۱۶ جیکس ودخینے گیمن۔ مقالہ "اسلام کس وضع پر ہے؟" "مسلم تہذیب میں وحدت وکثرت" (انگریزی) تدوین گستیو وان گرونبام صہ ۳ شکاگو ۱۹۵۵ء۔

۱۷ ایچ، اے، آر، گب "عربی ادب" (انگریزی) صہ ۱ آکسفورڈ ۱۹۶۳ء۔

۱۸ یہاں پشتو زبان کی طرف اشارہ ہے جسے چالیس لاکھ سے زیادہ افراد بولتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

جی، مارگنسٹرن" انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" مقالہ" افغان" جلد اوّل صہ ۲۱۶-۲۲۱ لیڈن ۱۹۶۰ء

۔ فلپ، کے، حتّی" عربوں کی تاریخ" (انگریزی) صہ ۴۔

۔ ابن خلکان" وفیات الاعیان" جلد ششم صہ ۱۲ قاہرہ ۱۹۴۸ء۔ ابن خلدون" تاریخ" جلد ششم، صہ ۵۱۴، بیروت ۱۹۵۹ء۔

۔ ابن الاثیر" تاریخ" جلد دہم صہ ۹۸ قاہرہ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء۔

۔ ای، الیس، کریزی" عثمانی ترکوں کی تاریخ" صہ ۱۲۲ بیروت ۱۹۶۱ء۔

۔ ملاحظہ ہو رتھ، بی، رسل" اقوام متحدہ کا منشور" (انگریزی) ضمیمہ" ایم" صہ ۱۰۳۶۔ دی بروکنگز انسٹی ٹیوشنز، واشنگٹن ڈی سی ۱۹۵۸ء۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ انجمن اقوام کے معاہدہ (مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۶ء) میں بھی اسی قسم کا مقصد موجود تھا" بین الاقوامی اشتراک کو ترقی دینے اور بین الاقوامی امن و حفاظت کو حاصل کرنے کے لئے ......" ملاحظہ ہو رتھ، بی، رسل۔ محولہ بالا ضمیمہ" ای" صہ ۹۷۸۔

۱ حتّی۔ محولہ بالا صہ ۵۶، عمومی عرب کانفرنس کے رائے دہندگان کی کمیٹی نے جو ان عرب وفود کے رؤسا اور اراکین پر مشتمل تھی جو اسکندریہ میں، اکتوبر ۱۹۴۴ء کو جمع ہوئے تھے، عرب لیگ قائم کرنے کی سفارش کی تھی۔ انجمن ریاست ہائے عرب کے معاہدۂ قاہرہ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۵ء کے مطابق" ان قریبی تعلقات اور گوناگوں روابط کو مستحکم کرنے کے لئے جو عرب ریاستوں کو آپس میں مربوط کرتے ہیں اور ان ریاستوں کے لئے آزادی اور اقتدار کے احترام کی بنیاد پر ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے خواہش مند ہونے کی بنا پر اور اپنی مساعی کا رُخ عرب ریاستوں کی بہبود کی جانب موڑنے کے لئے، اپنے حالات کو درست کرنے کے لئے، اپنے مستقبل کی حفاظت کے لئے اور اپنی امیدوں اور تمناؤں کی تکمیل کے لئے اور عرب دنیا کے ہر گوشہ کی رائے عامہ کے احترام میں...... ایک معاہدہ میں شامل ہونے پر رضامند ہوگئے ہیں"۔ (ملاحظہ ہو محمد خلیل" ریاست ہائے عرب اور عرب لیگ" (انگریزی) جلد دوم صہ ۶-۵۲ بیروت ۱۹۶۲ء) اس میں کل بیس مقالات ہیں (ملاحظہ ہو محمد خلیل۔ محولہ بالا صہ ۹-۱۵)۔

۵۵ [illegible] (انگریزی) [illegible] ایک کتاب، ایڈنبرا ۱۹۵۵ء

۵۶ [illegible] کی رپورٹ جلد ۲ شمارہ ۵ صہ ۶۶-۵۷، سنگاپور

اپریل ۱۹۶۵ء جس میں وہ کہتے ہیں کہ مؤتمر "امداد باہمی کی بنیاد پر مسلم ممالک کی ایک دولت مشترکہ کے قیام کے لئے مسلم ممالک پر زور دیتی چلی آئی ہے۔" (ص۶۵)۔ مزید ملاحظہ ہو مگا دیشو (سومالیہ) میں منعقدہ چھٹی عالمی مسلم کانفرنس (۶۵-۱۹۶۴ء) کی مختصر روداد جسے موجودہ دنیائے اسلام کی شاہراہ کا سنگِ میل سمجھا گیا - ایرک، ڈبلیو، بیتھمین "عالم اسلام" (انگریزی) جلد ۵۵ شمارہ ۴ ص ۲۹۲-۲ - دی ہارٹ فورڈ سیمناری فاؤنڈیشن، ہارٹ فورڈ اکتوبر ۱۹۶۵ء -

۲۷۔ ملاحظہ ہو رابطہ عالم اسلامی کی رائے دہندگان کونسل کے پانچویں اجلاس منعقدہ مکہ (۱۹۶۴ء) کی تجاویز - رابطہ عالم اسلامی، جلد دوم شمارہ ۵ ص ۲۹-۵ - مزید ملاحظہ ہو رابطہ عالم اسلامی کے افتتاحی اجلاس منعقدہ مکہ ۱۹۶۵ء میں سیکرٹری جنرل شیخ محمد سرور الصبان کا خطبہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ "رابطہ عالم اسلامی کو سارے سیاسی اثرات سے پاک خالص اسلامی محرکات کے ساتھ شروع ہی سے اس انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ وہ ان بنیادی عادلانہ مقاصد سے نہ ہٹے جو مسلمانوں کو ایک معین عقیدہ کے گرد متحد کرتے ہیں۔" (ص ۶۰)۔

۲۸۔ مجموعی طور پر "مغرب" کی اصطلاح مصر کے مغرب میں سارے شمالی افریقہ پر منطبق کی جاتی ہے یعنی لیبیا، تیونس، الجیریا اور مراکش .... میرے خیال میں حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا کسی قسم کا اتحاد ہمارے سیاسی ساخت کے امکانات میں سے ایک ہے - ملاحظہ ہو ولیم سینڈز مقالہ "متحدہ مغرب کے لئے امکانات" عرب مشرق وسطیٰ اور مسلم افریقہ" (انگریزی) محولہ بالا ص ۸۷ و ۹۴-

۲۹۔ بحیرہ روم کے جنوب مشرقی کنارہ اور خلیج فارس کے بالائی حصہ کے درمیان کا وہ علاقہ جو ایک کمان کی شکل بناتا ہے (ملاحظہ ہو حطّی - محولہ بالا ص ۱۱) اس میں شام، عراق، اردن اور لبنان وغیرہ جیسے ممالک شامل ہیں۔

۳۰۔ سعودی عرب، یمن اور کویت جن کے لئے جزیرہ نمائے عرب کے حسب ذیل علاقوں میں شامل ہونے یا اپنے مفاد کے مطابق ایک علیحدہ علاقہ واری گروہ بنانے کے امکانات ہیں - عدن، مغربی اور مشرقی عدن کی پروٹکٹوریٹ (حکومت زیر حمایت) ریاستیں (جن میں باب المندب سے راس ضربات علی تک کا عرب کا جنوبی ساحل شامل ہے) خلیج فارس میں سلطانوں اور شیخوں کے علاقے یعنی مسقط اور عمان اور بحرین، قطر، ابوظہبی، دوبئی، شارقہ، راس الخیمہ، عجمان، ام القیوین اور فجیرہ -

ملاحظہ ہو ایچ۔ بی۔ شرابی" بیسویں صدی میں مشرقِ وسطیٰ کی حکومت اور سیاست" (انگریزی) ص ۵۵-
نیویارک ۱۹۶۲ء۔ جی رینٹنز۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ" جزیرۃ العرب" جلد اوّل ص ۴-۵۲۹-
او، لافگرن۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ" عدن" جلد اوّل ص ۲-۱۸۰۔ سی ایف بکنگھم۔
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ" بحر فارس" جلد اوّل ص ۹-۲۷-جی، رینٹنز اور ڈبلو۔ ای۔ میگن
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ" بحرین" جلد اوّل ص ۴-۹۴۱-فیبیے مار انسائیکلوپیڈیا آف
اسلام مقالہ" دوبئی" جلد دوم ص ۹-۶۱۸ لیڈن ۱۹۶۵ء۔ عبدالحافظ کمال انسائیکلوپیڈیا آف
اسلام مقالہ" فجیرہ" جلد دوم ص ۷-۹۲۶ -روپرٹ ہے" خلیج فارس کی ریاستیں" (انگریزی)
ص ۱۴۴-۸۷ واشنگٹن ڈی، سی ۱۹۶۵ء-

۲۱ ملائیشیا، انڈونیشیا اور برونی کی ریاستیں۔

۲۲ مشرقی اور مغربی افریقہ میں مسلمان آبادی کے اعداد و شمار کے لئے ملاحظہ ہو جے۔ اسپنسر،
ٹرینگھم" مشرقی افریقہ میں اسلام" (انگریزی) ص ۵-۲۱ -آکسفورڈ ۱۹۶۴ء مصنف موصوف
" مغربی افریقہ میں اسلام" (انگریزی) ص ۳-۲۲۳، آکسفورڈ ۱۹۵۹ء۔ مزید ملاحظہ ہو آر، کارنیو
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ" گنی" جلد دوم ص ۳-۱۲۱۔ ڈی، ایچ جونس انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
مقالہ" گمبیا" جلد دوم ص ۷-۹۷۴-

۲۳ ولیم، ایچ، لیوس مقالہ" افریقہ میں اسلام اور قومیت پرستی" عرب مشرق وسطیٰ اور مسلم افریقہ محوا

۲۴ جمال الدین افغانی محولہ بالا ص ۷۲-

۲۵ محمد اقبال۔ محولہ بالا ص ۱۵۹-مزید ملاحظہ ہو۔ مصنف موصوف۔ مقالہ" جغرافیہ
حدود اور مسلمان"۔ مقالاتِ اقبال (اردو) ص ۲۸-۲۲۱ تدوین سید عبدالواحد معینی،
لاہور ۱۹۶۳ء-

۲۶ ڈبلیو، منٹگمری، واٹ۔ محولہ بالا ص ۱۹۴-